(12)

# جماعت احمدیہ لاہور کی اہمیت اور اس کی ذمہ داریاں

(فرمودہ 6 مئی 1949ء بمقام لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''آنکھ کی تکلیف کی وجہ سے میرا یہاں جمعہ پڑھانے کے لیے آنا اور روشنی میں نکلنا مناسب نہیں تھا لیکن پچھلے جمعہ چونکہ ناغہ ہو گیا تھا اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ آج جمعہ کی نماز پڑھا آؤں۔ اس مہینہ میں میرا ارادہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو میں باہر پہاڑ پر چلا جاؤں اور اسی طرح سندھ کے کام کو بھی دیکھنے کے لیے جاؤں۔ اس لیے غالباً ایک جمعہ یا دو جمعے ہی زیادہ سے زیادہ مجھے یہاں پڑھانے کا موقع ملے گا۔ اس کے بعد غالباً پہاڑ سے واپسی پر ربوہ میں رہائش کا انتظام ہو چکا ہو گا اور عمارتیں بنائی جا چکی ہوں گی۔ اس لیے ہم غالباً براہِ راست ربوہ چلے جائیں گے۔ اور ہمارا مرکز مستقل طور پر وہاں قائم ہو جائے گا۔ اور اگر ایسا ہوا تو میرا یہاں آنا کبھی کبھار ہو گا جس طرح پہلے ہوا کرتا تھا۔ گویا یہ مستقل قیام کا زمانہ ختم جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واپسی پر آٹھ دس روز ٹھہر کر ربوہ جائیں مگر یہ قیام بھی بہر حال مختصر ہو گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے خواہ اسے کتنی بار ہی دُہرانا پڑے کہ میں لاہور کی جماعت کو اس طرف توجہ دلاؤں کہ اس پر بہت سی ذمہ داریاں ہیں اور ان کے پورا کرنے کی طرف اسے پوری توجہ نہیں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت کے کچھ حصہ میں بیداری کے

آثار پیدا ہو چکے ہیں۔ مثلاً 1947ء میں جب ہم لاہور آئے اُس وقت یہاں عورتوں میں انتہائی بے حسی پائی جاتی تھی۔ لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کی طرف سے مستورات کو بار بار توجہ دلائی گئی لیکن ایسی عورتیں بہت کم تھیں جو لجنہ کے کاموں میں حصہ لیتی تھیں۔ آہستہ آہستہ عورتوں کے اندر بیداری پیدا ہونی شروع ہوئی اور اس جلسہ پر گو لاہور سے جانے والی عورتوں میں ایک حصہ قادیان سے آئی ہوئی عورتوں کا بھی تھا لیکن ان میں سے اکثر عورتیں لاہور کی تھیں جو نہ صرف کثیر تعداد میں جلسہ پر گئیں بلکہ چندہ کر کے بہت سا سامان بھی خرید کر اپنے ساتھ ربوہ لے گئیں جس کی وجہ سے عورتوں کی مہمان نوازی میں ایک حد تک سہولت پیدا ہوگئی۔ درجنوں عورتیں لاہور سے مہمانوں کی خدمت کے لیے ربوہ گئیں۔ قادیان میں وہ مہمان بن کر جایا کرتی تھیں لیکن اس جلسہ پر وہ میزبان بن کر گئیں۔ اوران میں سے بعض نے نہایت اخلاص کے ساتھ مہمانوں کی خدمت میں حصہ لیا اور نیک نمونہ دکھایا۔ یہ بات بتاتی ہے کہ لاہور کی جماعت کی عورتوں میں ایک حد تک بیداری پیدا ہو چکی ہے اور اگر یہ حالت قائم رہے تو اس کا اثر یقیناً آئندہ نسلوں پر بھی پڑے گا۔ مردوں میں بھی کچھ حصہ میں یقیناً بیداری پیدا ہوئی ہوگی لیکن اس کی کوئی معیّن صورت میرے سامنے نہیں آئی لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ان کی کافی تعداد اس سال جلسہ میں شامل ہوئی۔ مردوں کی کوئی الگ رپورٹ میرے پاس نہیں آئی لیکن عورتوں کی جو تعداد جلسہ پر حاضر تھی اُس کا اگر قیاس کر لیا جائے تو جلسہ پر جانے والے مرد بھی بہت زیادہ ہوں گے۔ اور اگر یہ قیاس درست ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے ایک حصہ میں بھی بیداری کے آثار پیدا ہو چکے ہیں۔

لاہور کی جماعت کو ایک اہمیت حاصل ہے اور وہ اہمیت یہ ہے کہ لاہور ایک تو بارڈر (Border) پر واقع ہے۔ دوسرے پاکستان کے ایک جنگی صوبہ کا صدر مقام ہے جو پاکستان کی حفاظت کے لیے آئندہ زمانہ میں ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوسکتا ہے۔ بے شک یہ صوبہ اپنی نالائقیوں کی وجہ سے سیاست کے میدان میں بہت پیچھے رہ گیا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس کے اندر جو اندرونی طاقتیں موجود ہیں اور جو صلاحیتیں اسے حاصل ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ اس کی یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ جلد یا بدیر پنجاب اپنے مقام کو پالے گا اور جلد یا بدیر پاکستان کے لوگوں کو پنجاب کی دوسرے علاقوں پر برتری تسلیم کرنی پڑے گی۔ اور اگر

پنجاب کے لوگوں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ صوبائی تعصب سے خالی ہیں اور اگر انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ صوبہ داری ذہنیت سے آزاد ہیں تو یقیناً ان کے نمونہ کا اثر دوسروں پر بھی پڑے گا اور صوبائی تعصب کی بیماری سے جو اس وقت سرطان کے پھوڑے کی سی صورت اختیار کر رہی ہے پاکستان شفا پا جائے گا اور باہمی اختلاف دور ہو جائے گا۔

غرض لاہور کی جماعت کو ایک اہمیت حاصل ہے جس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ لاہور خواہ اچھے رنگ میں ہو یا بُرے رنگ میں ہمیشہ اپنے آپ کو آگے کرتا رہے گا۔ اس لیے لاہور کی جماعت کی ذمہ داریاں کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ اس کی ہر حالت کا باقی جماعت پر اثر پڑے گا۔ اگر لاہور کی جماعت کمزور ہوگی، اگر لاہور کی جماعت اپنے مقام کو جو اس کا جائز حق ہے حاصل نہ کرے گی تو اس کا اثر صوبہ کی دوسری جماعتوں پر بھی ضرور پڑے گا۔ اور وہ تبلیغ جس کے رستے اب خدا تعالیٰ نے کھول دیئے ہیں اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے جو مواقع ہمیں میسر آچکے ہیں انہیں زبردست دھکّا لگے گا جس کا ازالہ آسانی سے نہیں ہو سکے گا۔ لیکن لاہور کی جماعت اگر اخلاص سے کام لے گی اور اپنے فرضِ منصبی کو سمجھے گی تو ہماری تبلیغ بھی وسیع ہو جائے گی اور جماعت یَوْمًا فَیَوْمًا بڑھتی چلی جائے گی۔ اگر لاہور کی جماعت لاہور میں اپنے اثر کو اتنا نمایاں اور ظاہر کر دے کہ دشمن کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے کہ جماعت احمدیہ نے اپنا ایک نقش قائم کر دیا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صوبہ کے باقی اضلاع، شہروں اور دیہات میں احمدیت اس سے زیادہ سُرعت کے ساتھ پھیلنے لگ جائے گی جس سُرعت سے وہ اب پھیل رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے مطابق تین چار ماہ تک ہم ربوہ میں جا بسے اور ایسی سہولتیں ہمیں حاصل ہوگئیں کہ اُسے ہم مرکز بنالیں تو پھر جماعت کا تنظیمی مرکز تو بے شک ربوہ ہی ہوگا لیکن یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ اس کا سیاسی مرکز ایک رنگ میں لاہور ہی ہوگا کیونکہ جماعت کا تنظیمی مرکز جس جگہ ہو ضروری نہیں کہ دوسرے لوگ جو جماعت سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ بھی اپنی توجہ کا مرکز اسے بنالیں۔ لوگ قدرتی طور پر سہل ترین طریق کو اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں اپنے ذاتی کاموں کے لیے لاہور آنا پڑتا ہے۔ جب وہ لاہور آتے ہیں تو قدرتی طور پر ان کی توجہ ان اداروں اور تحریکوں کی طرف بھی ہوتی ہے جن کے مرکز یا مرکزوں کے ظل لاہور میں موجود ہیں۔ گویا وہ

ایک تیر سے دو شکار کر لیتے ہیں۔ وہ یہاں آ کر اپنے ضروری کام بھی کرتے ہیں اور ایسے ادارے اور تحریک سے واقفیت بھی حاصل کر لیتے ہیں جو ان کی توجہ کا مرکز بن رہا ہو۔

پس جہاں تک لاہور کو سیاسی حیثیت حاصل ہے ہم اس جماعت کو بعد میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اگر لاہور میں جو مشکلات ہمیں پیش آ رہی ہیں وہ دور ہو جائیں اور ہمیں ایسی جگہیں مل جائیں جہاں ہم مرکز کا ایک حصہ رکھ سکیں تو مرکز بھی مقامی جماعت کے ان کاموں میں مُمِد ثابت ہوگا جس کے کرنے کی ذمہ داری اس پر ڈال دی گئی ہے۔

لاہور کی جماعت کی مستورات کی طرف سے مجھے عرصہ سے یہ شکایت آ رہی ہے اور میرے خیال میں وہ نہایت معقول ہے کہ یہاں لاہور میں جماعت کی لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ جس کی وجہ سے یا تو وہ صحیح تعلیم کے نہ ہونے کی وجہ سے جاہل اور اَن پڑھ رہتی ہیں یا دوسرے سکولوں میں جا کر دوسرے لوگوں کے خیالات سے متأثر ہو جاتی ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے بھائیوں کے دین کی حفاظت کریں اور اس کے اندر رخنہ پیدا کرنے والے سامان کو دور کریں وہ اس میں اَور بھی مُمِد ہو جاتی ہیں اور انہیں صحیح رستہ سے ہٹا دیتی ہیں۔ میں جماعت کو ایک سال سے اس طرف توجہ دلا رہا ہوں۔ میرے نزدیک لاہور کی جماعت کی حیثیت کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ اس کے زنانہ اور مردانہ دونوں ہائی سکول اپنے ہوں۔ یہ خیال کہ جماعت اس خرچ کو برداشت نہیں کر سکتی ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ مبائعین کی جو جماعت لاہور میں ہے وہ پیغامی جماعت سے کئی گنے زیادہ ہے۔ پیغامیوں کے ایک ایک آدمی کے مقابلہ میں ہمارے آٹھ آٹھ دس دس آدمی یہاں ہیں۔ ان کے جلسے پر بھی اتنے آدمی حاضر نہیں ہوتے جتنے آدمی ہمارے جمعہ پر حاضر ہو جاتے ہیں لیکن فسادات سے پہلے لاہور میں ان کا ایک ہائی سکول تھا اب دو ہائی سکول ہیں۔ اگر ایک چھوٹی سی جماعت دو ہائی سکول چلا سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری جماعت جو اُن کی نسبت سے کئی گُنے زیادہ ہے زنانہ اور مردانہ دو ہائی سکول نہ چلا سکے۔ اور ابھی تو ہائی سکول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا صرف ایک زنانہ مڈل سکول کا ہی سوال ہے تا جماعت کی لڑکیاں قرآن کریم ختم کر سکیں اور ان کی ایک حد تک دینی تربیت ہو سکے۔ سات آٹھ سو کی جماعت عورتوں اور بچوں کے علاوہ ہے حالانکہ عورتوں اور بچوں میں سے بھی بعض کمانے والے ہیں۔ پس یہاں کی جماعت کی

آمد اسّی نوے ہزار ماہوار سے کم نہیں (جو آمد اُن کی اپنی بتائی ہوئی ہے وہ بھی پچاس ہزار سے زیادہ ہے) بلکہ آمد کا اگر صحیح اندازہ لگایا جائے تو وہ ایک لاکھ تک جا پہنچتی ہے۔ ایک لاکھ کی آمدن والی جماعت کے لیے ایک ہائی سکول کا چلانا کچھ مشکل نہیں۔ آخر لڑکے فیسیں بھی دیں گے۔ مڈل سکول تو تین چار ہزار روپیہ میں چل سکتا ہے اور اتنی بڑی جماعت کے لیے یہ مشکل امر نہیں۔ اگر جماعت کے افراد چار چار، پانچ پانچ روپیہ بطور چندہ دیں تو زنانہ اور مردانہ دونوں مڈل سکول چل سکتے ہیں۔ پھر مڈل سے انہیں ہائی تک پہنچایا جائے۔ پھر جماعت کے عہدیداران اگر اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور بالا افسروں تک پہنچ کر اُن پر اپنی ضرورتیں ظاہر کریں تو ان سے بھی مدد مل سکتی ہے۔ اگر اُن پر زید اثر ڈال سکتا ہے تو بکر اثر کیوں نہیں ڈال سکتا؟ ہر آفت جو آئے کیا وہ ہمارے لیے ہی مقدر ہے؟ اور کیا یہ بات کسی کی عقل میں آسکتی ہے کہ ہر آدمی افسروں کو اپنی طرف مائل کر سکے مگر انہیں نہ مائل کر سکے تو ہماری جماعت؟ محکمہ تعلیم ہمارا مخالف ہو؟ پولیس ہمارے خلاف ہو؟ ڈپٹی کمشنر ہمارے خلاف ہو؟ یہ بات بالکل عقل کے خلاف ہے۔ چاہیے کہ ہماری جماعت کے لوگ بھی افسروں سے میل جول پیدا کریں۔ کوئی وجہ نہیں کہ حکومت دوسرے سکولوں کو مدد دے اور ان کو نہ دے۔ ان کو وہ کیوں مدد نہ دے گی؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر جماعت کوشش کرے تو دونوں ہائی اسکول بیس ہزار روپیہ میں چل سکتے ہیں۔ پھر ضروری نہیں کہ ان سکولوں میں احمدیوں کے بچے اور بچیاں ہی پڑھیں غیر احمدیوں کے بچے اور بچیاں بھی پڑھیں گی۔ ان میں سے بعض مالدار بھی ہوں گے اُن سے عطیے لیے جاسکتے ہیں اور سکول نہایت عمدگی کے ساتھ بغیر کسی بوجھ کے جو جماعت پر پڑے فیسوں اور عطیوں سے چل سکتے ہیں۔ ضرورت صرف کوشش اور محنت کی ہے۔ جماعت اگر کوشش کرے تو اس کے لیے یہ کام کرنا کچھ مشکل نہیں۔

وہ وقت قریب آرہا ہے کہ جماعت کا مرکز دوسری جگہ بنا لیا جائے اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ میں لاہور کی جماعت کو توجہ دلاؤں کہ جن رستوں سے کسی جماعت کی ترقی ہوتی ہے اُن رستوں سے گزرے بغیر ہم بھی ترقی نہیں کر سکتے۔ صرف نام رکھ لینے سے کوئی جماعت نہیں بڑھتی۔ جماعت کی عورتوں کا یہ مطالبہ ایک جائز مطالبہ ہے۔ اگر جماعت کا اپنا زنانہ سکول نہ ہو تو وہ اپنی لڑکیوں کی صحیح پرورش نہیں کرسکتیں۔ ان کا یہ کہنا بجا ہے کہ یہ زمانہ ایسا ہے کہ بچیاں ہم سے زیادہ

پڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور ہم طاقت نہیں رکھتیں کہ انہیں دین کی طرف مائل کر سکیں۔ اگر ہمارا اپنا سکول ہوتو پھر نہ صرف وہ خود دین پر قائم رہیں گی بلکہ ہمیں بھی دین سکھائیں گی۔ جس گھر میں عورتوں میں دین چلا جاتا ہے اس کے مردوں کی مجال نہیں ہوتی کہ وہ دین سے غفلت برتیں۔ عورت وہ جنس ہے جسے بظاہر محکوم اور غلام کہا جاتا ہے لیکن دراصل وہ حاکم اور مالک ہوتی ہے۔ عورت کی عجیب حکومت ہوتی ہے۔ روز شور پڑتا ہے کہ عورت غلام ہے، عورت محکوم ہے لیکن آپ اپنے ہمسایوں کو دیکھیں ان میں سے کتنی عورتیں ہیں جو غلام ہیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ بعض مرد ایسے بھی نکل آئیں گے جو عورتوں کو جوتیاں مارتے ہیں مگر ان جوتیاں مارنے والوں میں سے بھی اکثر وہ ہوں گے جو دوسرے وقت میں عورتوں کے آگے ناک رگڑ رہے ہوں گے۔ علاوہ ازیں بالعموم ایسے لوگ ملیں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی انسان قابلِ قدر ہے، اگر کوئی شخص ایسا ہے جس کا مشورہ قبول کیا جاسکے یا کوئی ایسا انسان ہے جس کی بات مانی جائے تو وہ میری بیوی ہے۔ اگر عورتوں میں دینی تعلیم آجائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مردوں کو بھی دین کی طرف کھینچ کر لے آئیں گی۔ ربوہ میں مجھے معلوم ہوا تھا کہ لاہور کی جماعت نے ایک کمیٹی بنائی ہے اور اس نے یہ کہا ہے کہ یہ کام جماعت کی طاقت سے باہر ہے۔ مگر یہ عذر بالکل لغو ہے۔ اگر وہ نہ کرنا چاہیں تو ہر کام ان کی طاقت سے باہر ہوسکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سنایا کرتے تھے ایک لڑکا تھا جو ایک غریب گھر میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ مر گیا تھا اور ان کے کنبے کے گزارہ کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اس کی ماں نے اسے ایک دن بُلا کر کہا بیٹا! تم کوئی نوکری کرلو۔ اس طرح تم کمائی کرو گے تو تم خود بھی کھاؤ گے اور ہمیں بھی کِھلاؤ گے۔ انہوں نے کوشش کی اور اس بچے کو نوکری مل گئی اور پانچ روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔ ماں نے کہا بیٹا! تم اپنی ساری تنخواہ ہمیں بھیج دیا کرو۔ لڑکے نے کہا اگر میں ساری تنخواہ تمہیں بھیج دوں تو کوئی ضرورت پڑنے پر میں کیا کروں گا؟ ماں نے کہا تم انعام پر گزارہ کر لینا۔ بیٹے نے کہا مجھے انعام کیسے ملے گا؟ ماں نے کہا سب آقا جب اپنے نوکروں پر خوش ہوتے ہیں تو انہیں انعام دیا کرتے ہیں۔ لڑکے نے کہا اگر نہ دے؟ پھر ماں نے کہا اگر خود آقا انعام نہ دے تو جب وہ تمہارے کام پر خوش ہو خود انعام مانگ لیا کرنا۔ بچہ نے کہا کہ مجھے کس طرح معلوم ہوگا کہ وہ خوش ہے؟ ماں

نے کہا جب آدمی خوش ہوتا ہے تو وہ ہنسا کرتا ہے۔ یہ نصیحت سُن کر لڑکا اپنے آقا کے ہاں گیا۔ کچھ دنوں بعد ہی آقا کو ایک سفر پیش آ گیا۔ وہ اس لڑکے کو بھی ساتھ لے گیا۔ رستہ میں وہ ایک سرائے میں ٹھہرے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، تیز ہوائیں چل رہی تھیں، وہ سرائے کے اندر سو گئے۔ ہوا ذرا تیز ہوئی اور بارش شروع ہوگئی۔ آقا نے اپنے نوکر سے کہا ذرا اُٹھ کر دیا بُجھا دو مجھے اندھیرے میں سونے کی عادت ہے۔ نوکر نے کہا اگر آپ کو اندھیرے میں سونے کی عادت ہے تو مجھے روشنی میں سونے کی عادت ہے۔ منہ پر لحاف ڈال لیں اور سو جائیں۔ مالک نے اُسے بچہ سمجھ کر کوئی غصّہ نہ کیا اور منہ پر لحاف ڈال لیا اور سو رہا۔ تھوڑی دیر بعد شاید اسے گرمی محسوس ہوئی اور اس نے خیال کیا کہ باہر کُھلی جگہ پر جا کر سوئے۔ اس نے نوکر سے کہا ذرا اُٹھ کر معلوم کرو کہ آیا بارش ہو رہی ہے یا نہیں؟ نوکر نے کہا ہاں بارش ہو رہی ہے۔ مالک نے کہا تم تو ہلے بھی نہیں تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ بارش ہو رہی ہے؟ نوکر نے کہا میرے پاس سے ایک بلّی گزری تھی میں نے اُسے ہاتھ لگا کر دیکھا تو وہ گیلی تھی۔ آقا اس حماقت پر پھر بھی چُپ رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوا تیز چلنے لگی۔ اُس نے نوکر سے کہا ذرا دروازہ بند کر دو۔ اب یہاں کوئی بہانہ نہیں بن سکتا تھا۔ اُٹھے بغیر دروازہ کا بند کرنا ناممکن تھا اس لڑکے نے سوچ کر کہا حضور! پہلے دو کام میں نے کیے ہیں یہ تیسرا کام آپ خود کر لیں۔ آقا نوکر کی اس بیوقوفی پر ہنس پڑا۔ وہ جھٹ کھڑا ہو گیا اور سلام کر کے کہا حضور! مجھے انعام دیجیے۔

تم بھی اس قسم کے بہانے بنانے لگ جاؤ تو تم جتنا معذور بھی بننا چاہو بن سکتے ہو لیکن کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ اتنی بڑی جماعت جو یہاں بیٹھی ہے اور جس جماعت کے بعض حصے ایسے بھی ہیں جو اپنی اپنی جگہ پر نماز پڑھتے ہیں مثلاً مغلپورہ، میاں میر وغیرہ میں الگ الگ نماز جمعہ ہوتی ہے اتنی بڑی جماعت عورتوں کا ایک مڈل سکول نہیں چلا سکتی۔ یہ صرف نفس کا بہانہ ہے۔ میرے خیال میں اگر عقل سے کام لیا جائے تو مفت میں مردانہ بھی اور زنانہ بھی دونوں ہائی اسکول چلائے جا سکتے ہیں۔ صرف ایک سال تک تکلیف ہوگی۔ اس کے بعد بغیر کسی بوجھ کے یہ کام کیا جا سکتا ہے۔

یہ کہنا کہ ہمیں اب جگہ کہاں ملے گی؟ یہ جماعت کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ پیغامیوں نے

فسادات کے بعد ایک سکول لے لیا تم نے کیوں کوشش نہ کی؟ باوجود اس کے کہ ان کے پاس پہلے سے ایک سکول موجود تھا انہوں نے دوسرا لے لیا۔ اگر تم گورنمنٹ کے پاس جاتے اور کہتے ہمیں ایک سکول دو تو ہمارے حق کو مقدم کیا جاتا کیونکہ گورنمنٹ پیغامیوں سے کہہ سکتی تھی کہ تمہارے پاس پہلے سے ایک سکول موجود ہے لیکن وہ تمہیں یہ بات نہیں کہہ سکتی تھی۔ تم یہ کہہ سکتے تھے کہ ہمارے پاس پہلے کوئی سکول موجود نہیں ہمیں بھی ایک سکول دیا جائے تو یقیناً تمہیں ایک سکول مل جاتا۔ یہ تمہاری اپنی سُستی ہے جس کی وجہ سے تمہیں جگہ نہیں مل رہی۔ تمہیں اس چیز کا پہلے احساس نہیں تھا اس لیے تم نے اس کے لیے کوئی کوشش نہ کی۔ کیا تمہیں سِکھ آ کر سکول بنا کر دے جائیں گے؟ یا تمہیں آریہ سماج والے سکول بنا کر دے جائیں گے؟ یہ کام تم نے خود کرنا ہے۔ بہرحال لڑکیوں کا ایک مڈل سکول شروع کر دینا چاہیے تا ان کے اندر دین کی محبت کا احساس ہو۔ اس کے بعد لڑکوں کا سکول بنایا جائے اور وہ بھی کم از کم مڈل تک ہو۔ اگر ہماری جماعت کے لوگوں کو بھی منت سماجت کرنی آ جائے، اگر تمہیں بھی اپنے افسروں کو خوش کرنا آ جائے تو تم وہ کام کیوں نہ کر سکو جو دوسرے کر لیتے ہیں۔ جو لوگ کام کرنے والے ہوتے ہیں وہ افسروں کی خوشامدیں بھی کر لیتے ہیں۔ اور جو اُن کی خوشامد کرتا ہے اُسے وہ چیز دے دیتے ہیں جس کی وہ خواہش کرتا ہے۔ لوگ ہندوؤں کی بھی خوشامدیں کر لیتے تھے، سِکھوں کی بھی خوشامدیں کر لیتے تھے، کبھی کسی کی پارٹی کر دی، کسی سے میل جول رکھا اور اس طرح اپنا کام نکال لیا۔ پیغامیوں کو بھی اسی طرح سکول ملا تھا۔ انہوں نے محکمہ متعلقہ کے افسر کو پارٹی دی اور اس موقع پر اپنی درخواست پیش کر دی اور انہیں سکول مل گیا۔ نیت ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔

لاہور کی جماعت کی اہمیت ایسی نہیں کہ وہ کام کے نہ کرنے کی نیت کرے بلکہ اس کی اہمیت ایسی ہے کہ اسے کام کرنے کی نیت کر لینی چاہیے۔ اگر عورت کے اندر بیداری پیدا ہو گئی ہے، اگر اس کے اندر یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ جماعت کی بچیاں دین کی خادم ہوں اور اُن کی دینی تربیت اچھی طرح ہو تو مردوں کے اندر اس سے زیادہ احساس ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ خداتعالیٰ کے مجرم ہوں گے۔ میں دیکھتا ہوں ایسے ایک درجن کے قریب احمدی ہی لاہور میں ہیں کہ جو اپنے کاموں کی وجہ سے لوگوں پر اثر ڈال سکتے ہیں مگر یا تو وہ اپنے ہم عمروں میں بیٹھ کر گپیں مارتے

رہتے ہیں یا پھر سلسلہ کے کاموں سے دلچسپی نہیں لیتے۔ اور اس کام پر کچھ خرچ کرنے سے ان کی جان نکلتی ہے جس کی وجہ سے وہ بہت سے کام رہ جاتے ہیں جو کرنے والے ہیں اور جماعت لاہور یقیناً انہیں کرسکتی ہے''۔ (الفضل 21/اگست 1949ء)